طبی موت (ایجابیات وسلبیات) شرعی تناظر میں

Medical Death (Positive and Negative) in Shariah Perspective

ڈاکٹر عبدالحئی مدنی *
کلثوم بی بی **

ABSTRACT

At different stages of life, when a person goes home in various kinds of misery and difficulties or the solution of the problems and misery does not come out as intended, he does not refrain from taking extreme measures like suicide in a state of great sorrow and grief. I do not have the courage to face any more setbacks. This inappropriate move is not well received in any society. Islam also forbids this practice. The abode of those who do so is none other than Hell. While in the law of the land this measure is not a bad thing and is not reprehensible because every person owns his own caste, and he has full authority to dispose of it. However, attempted suicide is a crime. But if a person suffers from an incurable disease or an incurable and fatal disease at any age, he is unable to meet his personal needs and the pain is extreme. No matter where the patient is, his family and friends are in great pain. Similarly, some patients are permanently anesthetized with medication and equipment to reduce the severity of the pain. In this case, if these measures are not taken, it becomes difficult for the patient to survive and his suffering increases. At such a time, the patient himself or his close relatives want the life of such a patient to be non-existent, so why not bring him to the brink of death by appropriate measures. In this way the patient will also get rid of the unbearable pain and his friends will also get rid of the worries that are due to the care and service of the patient. In modern medicine, this process is called lifelessness, for which the term Mercy Killing is also used. It can also be called medical death.

Keywords: *Medical Death, suicide, incurable disease, anesthetized, lifelessness.*

* ایسوسی ایٹ پروفیسر این ای ڈی یونیورسٹی کراچی

** پی ایچ۔ڈی ریسرچ اسکالر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

زندگی کے مختلف مراحل میں جب کوئی شخص مختلف اقسام کے مصائب اور مشکلات میں گھر جاتا ہے یا مسائل و مصائب کا حل حسب منشا نہیں نکلتا تو شدید دکھ اور رنج کی کیفیت میں خودکشی جیسے انتہائی اقدام کے اٹھانے سے بھی گریز نہیں کرتا کہ وہ اپنے اندر مزید ناکامیوں کا سامنا کرنے کا حوصلہ نہیں پاتا اس نامناسب اقدام کو کسی بھی سماج و معاشرہ میں اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ اسلام بھی اس عمل کو حرام قرار دیتا ہے۔ ایسا کرنے والوں کا ٹھکانہ سوائے جہنم کے اور کہیں نہیں ہے۔ جب کہ ملکی قانون میں یہ اقدام بذات خود کوئی برا نہیں ہے اور نہ ہی قابل مواخذہ ہے کیوں کہ ہر شخص اپنی ذات کا مالک ہے اور وہ اس میں تصرف کرنے کا پورا اختیار رکھتا ہے۔ البتہ اقدام خودکشی کو ضرور جرم قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص کسی لاعلاج بیماری میں مبتلا ہو یا عمر کے کسی بھی حصے میں لاعلاج اور مہلک بیماری میں مبتلا ہو جائے حتی کے اپنی ذاتی ضروریات پوری کرنے سے بھی قاصر ہو جاتا ہے اور تکلیف انتہا درجے کی ہو کہ مریض تو کجا لواحقین اور احباب دیکھ کر شدید اذیت میں مبتلا رہتے ہیں۔ اسی طرح بعض مریضوں کی تکلیف کی شدت کم کرنے کے لیے دوا اور آلات کے ذریعہ مستقل طور پر بے ہوشی میں رکھا جاتا ہے۔ اس صورت میں اگر ان تدبیروں کو بروئے کار نہ لایا جائے تو مریض کا زندہ رہنا مشکل ہو جاتا ہے اور اس کی تکلیف میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ایسے وقت میں مریض خود یا اس کے قریبی رشتہ دار چاہتے ہیں کہ ایسے مریض کا زندہ رہنا نہ رہنے کے برابر ہے تو کیوں نہ اسے مناسب تدبیر کے ذریعہ موت کے آغوش میں پہنچا دیا جائے۔ اس طرح سے مریض کو بھی ناقابل برداشت تکلیف سے نجات مل جائے گی اور ان کے احباب کو بھی پریشانیوں سے چھٹکارا مل جائے گا جو مریض کی دیکھ بھال اور اس کی خدمت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اسی عمل کو جدید علم طب میں قطع حیات بہ جذبۂ رحم کہا جاتا ہے جس کے لیے Mercy Killing کی اصطلاح بھی استعمال کی جاتی ہے۔[1]

مغربی طریقہ علاج میں ایسے مریض کو مناسب طریقہ سے قبل از وقت مار دیا جائے تاکہ وہ اپنے لیے اور اپنے لواحقین کے لیے مزید پریشانی اور اذیت کا سبب نہ بنے۔ کہا جاتا ہے کہ ڈیرک ہمپرے نامی ایک انگریز کی بیوی پہلے کینسر کی بیماری میں مبتلا ہوئی، جسے ڈاکٹروں نے لاعلاج قرار دے دیا۔ اس بیماری میں ہر وقت وہ تڑپتی اور بلکتی رہتی تھی۔ جب تکلیف اپنی حدوں کو پار کر گئی اور اسے برداشت کرنے کی طاقت نہ رہی تو اس کی بیوی نے اپنی مرضی سے ایک معاہدہ کے تحت اپنی جان مناسب تدبیر کے ذریعہ ختم کرنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ زہریلی شراب پلا کر اس کی جان ختم کر دی گئی اور ہمیشہ ہمیش کے لیے وہ اس پریشانی سے نجات پا گئی۔ اس حادثہ کا اس پر پر خاصا اثر پڑا اور

۱۔ Merriam-Webster, new York, 1999, page 651

اسی دن سے وہ طبی موت کی فکر کا وکیل بن گیا۔ اس موضوع پر اس نے باضابطہ ایک کتاب لکھی جس کا نام اس نے جینس وے (Jen's Way) رکھا۔ پھر اس کی دوسری کتاب Let me die before I Wake منظر پر آئی۔ اسی موضوع پر اس نے تیسری کتاب لکھی جس کا نام The right to die understanding Euthanasia رکھا۔ ان کتابوں کی آمدنی سے اس نے ایک ہیم لاک سوسائٹی بھی قائم کی جہاں لاعلاج اور ضعیف العمر مریضوں کے لیے طبی موت پر عمل کرنے کی ترغیب دی جاتی تھی۔ اس سے اس کا مدعا یہ تھا کہ جو لاعلاج مریض بڑی تعداد میں اسپتالوں میں موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہیں اور جو برائے نام زندہ ہیں وہ اس عمل کے ذریعہ جان ختم کرکے مرض کی شدت سے نجات پاسکیں۔ (۱)

اس کے بعد ڈیرک اس فکر کا داعی بن گیا اور ڈیرک نے جس فکر کی وکالت اور حمایت کی ہے وہ یہ کہ تکلیف دہ بیماری کی تکلیف کم کرنے کے لیے اور اس کی سانس کو برقرار رکھنے کے لیے جو ادویہ یا آلات استعمال کیے جاتے ہیں وہ روک لیے جائیں اور اس کی دوا بند کر دی جائے تاکہ مریض سکون سے دنیا سے رخصت ہو جائے۔ (۲)

طبی موت کی ممکنہ اقسام درج ذیل ہو سکتی ہیں:

1) مریض کی خواہش

مریض اپنی بیماری سے اتنا تنگ آجاتا ہے کہ وہ موت کی خواہش کرنے لگتا ہے اور یہاں تک کہ خود خواہش یا وصیت کرتا ہے کہ اگر میری ایسی حالت ہو جائے تو مجھے طبی موت دے دی جائے۔ یہ قسم خودکشی میں شمار کی جاسکتی ہے

2) لواحقین کی خواہش

طبی موت کی اس قسم میں مریض خود اس حالت میں نہیں ہوتا کہ وہ اپنے بارے میں علاج کروانے یا نہ کروانے کا فیصلہ کر سکے یا خود کوئی فیصلہ نہیں کرتا یا خود طبی موت نہیں چاہتا لیکن اس کے لواحقین عیادت اور اخراجات کی کثرت سے تنگ آکر خود یہ فیصلہ کر لیتے ہیں

3) مریض پیدائشی طور پر یا وقتی طور پر کسی جان لیوا بیماری میں مبتلا ہے مثلاً دماغی بخار، پولیو، نمونیہ، کینسر، یا شدید بڑھاپا یا اپاہج وغیرہ جو بذات خود مہلک اور تکلیف دہ بیماریاں ہیں، جن کا ڈاکٹروں کی تشخیص کے مطابق کوئی علاج

---

1 - Historical Collections of Harrison County, in the State of Ohio, Charles a Hanna, Genealogical Publishing Com, 1975, page:781

2 - Historical Collections of Harrison County, in the State of Ohio, Charles a Hanna,Genealogical Publishing Com, 1975, page:790

نہیں۔ ایسی صورت میں وہ کسی دوسری بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے تو کیا ایسی صورت میں اس نئی بیماری کا علاج کرایا جائے یا نہیں، جب کہ وہ پہلے سے ہی لاعلاج بیماری میں مبتلا ہے اور اس نئی بیماری کے علاج سے شفایابی کے باوجود اس کی صحت پر کوئی خاص اثر پڑنے والا نہیں ہے۔

اسلام اور طبی موت

مذکورہ تفصیلات کی روشنی میں غور کیا جائے تو بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ تو اس عمل کو بروئے کار لانے میں لاعلاج اور شدید تکلیف میں مبتلا مریضوں کے ساتھ انتہائی ہمدردی کا پہلو مضمر ہے تاکہ نہ مریض زیادہ تکلیف اور پریشانیوں سے دوچار ہو اور نہ اس کے متعلقین۔ اس کے علاوہ اس کے علاج پر جو اخراجات ہو رہے ہیں وہ بھی محفوظ بھی رہ سکیں۔ اگر مریض یا اس کے قریبی متعلقین کی مرضی سے اس عمل کو بروئے کار لایا جائے تو بظاہر اس میں کیا قباحت ہے؟

اسلامی پہلو سے جب اس معاملہ پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر اسلام میں اس کی اجازت ہوتی تو پھر وہ خودکشی جیسے اقدام کو کبھی بھی حرام نہ ٹھہراتا۔ طبی موت جسے خود اختیاری موت بھی کہا جاسکتا ہے اور اس کے اور خودکشی کے مفاسد معاشرے پر ایک ہی جیسے مرتب ہوتے ہیں۔ اس صورت میں اسلام کا فیصلہ بہت اہم ہے کہ کیا اسلام اس کی اجازت دیتا ہے یا نہیں؟

شریعت کا کردار ایک شفیق طبیب کی طرح ہے جو مریض کی حالت، عادت مرض کی قوت اور ضعف کے تقاضے کے مطابق مریض کو مرض کی اصلاح پر آمادہ کرتا ہے، یہاں تک کہ جب مریض کی صحت مستقل ہو جاتی ہے تو اس کے لیے ایک معتدل لائحہ عمل تجویز کر دیتا ہے جو اس کے تمام حالتوں کے مناسب ہوتا ہے۔ اسلام کا طبی موت کے بارے میں نظریہ بیان کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے کچھ مفید پہلو ذکر کر دیے جائیں جس کے بعد اسلام میں طبی موت کے بارے میں فیصلہ کرنا آسان ہو جائے گا۔

اول: اسلام میں انسانی جان کی قدر و قیمت

دوم: مریض کے حقوق

سوم: مریض کے لواحقین پر عائد ذمہ داری

چہارم: معالج پر عائد ذمہ داری

مذکورہ بالا امور کی وضاحت کے بعد بآسانی فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام اس کی اجازت دیتا ہے کہ نہیں اور اگر دیتا ہے تو کیوں اور نہیں دیتا ہے تو کیوں اور اس میں کون سی مصلحت مضمر ہے؟

اول: اسلام میں انسانی جان کی قدر و قیمت

انسان دنیا میں آتا ہے تو پہلے اسے بڑے دشوار مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ نو ماہ مادر شکم میں رہتا ہے جو ایک طرح سے اس کی دنیا ہوتی ہے۔ پھر وہ ایک خاص وقت میں کٹھن مرحلہ سے گزر کر اس دنیا میں آتا ہے۔ اس وقت نوزائیدہ بچے پر کیا گزرتی ہے وہ وہی جانتا ہے، مگر وہ اس تکلیف کا بعد میں اظہار نہیں کر سکتا۔ اسی طرح اس کی ماں کی جو حالت ہوتی ہے اس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح کیا گیا ہے:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ . ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ . ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ . ثُمَّ إِنَّكُم بَعْدَ ذَٰلِكَ لَمَيِّتُونَ﴾ (۱)

اور ہم نے انسان کو مٹی کے سپ سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اسے ایک محفوظ مقام (رحم مادر) میں نطفہ بنا کر رکھا۔ پھر نطفہ کو لوتھڑا بنایا پھر لوتھڑے کو بوٹی بنایا پھر بوٹی کو ہڈیاں بنایا پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا، پھر ہم نے اسے ایک اور ہی مخلوق بنا کر پیدا کر دیا۔ پس بڑا بابرکت ہے۔ اللہ جو سب بنانے والوں سے بہتر بنانے والا ہے۔

یہ مشیت خداوندی ہے کہ اتنی سخت تکلیف کے باوجود عورت دوسرا بچہ جننے کے لیے عمر کے ایک خاص حصے تک تیار رہتی ہے، ورنہ اس تکلیف کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ ایک بچہ جننے کی تکلیف کا تصور کر کے آئندہ دوسرا بچہ پیدا کرنے کے لیے تیار نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس حالت میں کسی کی موت ہو جاتی ہے تو وہ شہادت کی موقت قرار دی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وَالْمَرْأَةُ تَمُوتُ بِجُمْعٍ شَهِيدٌ (۲) اور عورت کی حالت حمل میں موت شہادت ہے۔

پیدائش کے بعد سے لے کر بچہ کے ہوش سنبھالنے تک اس کی بڑی حفاظت کی جاتی ہے۔ اگر بچہ کو ہلکی سی بھی تکلیف ہوتی ہے تو ماں تڑپ اٹھتی ہے اور اس کی بے چینی اسے سکون سے رہنے نہیں دیتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ

۱۔ سورۃ المومنون: 12-14

۲۔ سجستانی، سلیمان بن اشعث، سنن أبي داود، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۹، کتاب الجنائز، باب في فضل من مات في الطاعون، حدیث: ۲۷۲۰

بظاہر بچہ کی دیکھ بھال اوراس کی حفاظت والدین کرتے ہیں، مگر در حقیقت اس کی ساری نگہبانی خدائے عزوجل کر رہا ہے جس نے اسے عدم سے وجود بخشا ہے۔ ایسی صورت میں انسان کی جان کا مالک بھی خدا ہی ہے جس نے اس کو پیدا کیا اور وہی اس کی جان ختم کرنے کا اختیار بھی رکھتا ہے۔ اگر کوئی اس کے عطا کردہ وجود میں خلل ڈالتا ہے یا اس کو ہلاک کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ عند اللہ مجرم ہے۔

زندگی اور اس کے مسائل کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر موجودہ مغربی اور ہندووانہ نقطہ نظر سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔ وہ اس دعویٰ ہی کو تسلیم نہیں کرتا کہ انسان اس دنیا میں کسی بھی چیز کا حتی کہ اپنی ذات کا مطلق مالک ہے اور وہ اس میں اپنی آزاد مرضی سے تصرف کر سکتا ہے۔ اس کے نزدیک یہ پوری دنیا اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے اور وہ اسے چلا رہا ہے۔ اس لیے وہی اس کا حقیقی مالک بھی ہے۔ اس دنیا میں انسان خود سے نہیں آیا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو وجود بخشا ہے اور اسی نے اس کے لیے سامان زیست فراہم کیا ہے۔ اس لیے وہی اس کی ذات پر مالکانہ اقتدار بھی رکھتا ہے۔ انسان اپنی ذات یا اپنے کسی اقدام کے بارے میں کوئی آزادانہ فیصلہ نہیں کر سکتا، ورنہ اس کی حیثیت اس مجرم کی ہوگی جو دوسرے کی چیزوں کو اپنی مرضی سے استعمال کرے اور ان کے بارے میں فیصلے صادر کرتا پھرے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو یہ فیصلہ کرنے کا حق ہی نہیں ہے کہ اسے کب تک دنیا میں رہنا ہے اور کب یہاں سے کوچ کرنا ہے، جس نے زندگی دی ہے وہی فیصلہ کرے گا کہ زندگی کب واپس لی جائے گی۔

اللہ کے نزدیک کسی انسان کی جان کتنی محترم ہے اوراس کا اس دنیا میں آنا کتنا ضروری ہے اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ تنگ دستی کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل کر دیتے تھے تاکہ وہ اس کی پرورش کے بوجھ سے آزاد رہیں۔ مگر اسلام نے نہ صرف اس کی مخالفت کی بلکہ اس فعل کو حرام قرار دیا اور فرمایا:

﴿وَلا تَقْتُلُوا أَوْلادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا﴾[1]

اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے ہم ہی روزی دیتے ہیں ان کو اور تم کو بھی، بے شک ان کا مارنا بڑی خطا ہے۔

ایک اور مقام پر اسی بات کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

۱۔ سورۃ الاسراء:31

﴿ وَلا تَقْتُلُوا أَوْلادَكُمْ مِنْ إِمْلاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ﴾ [1]

اور اپنی اولادوں کو مال میں کمی کے خوف سے قتل نہ کرو۔ ہم انکو بھی رزاق دیتے ہیں اور تمکو بھی۔

دونوں آیتوں میں الگ الگ دولوگوں کو خطاب کیا گیا ہے۔ ایک وہ ہیں جو فی الحال مفلس تو نہیں ہیں مگر ڈرتے ہیں کہ جب عیال زیادہ ہوں گے تو کہاں سے ان کو کیا کھلائیں گے۔ جب کہ دوسرے طبقہ کو عیال سے پہلے اپنی روٹی کی فکر ستارہی تھی۔ اس لیے ایک جگہ خشیہ املاق اور دوسری جگہ من املاق کے ذریعہ خبر دار کیا گیا کہ تم کو رزق کے بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے ہم ان کو بھی رزق دیں گے اور تم کو بھی۔ اگر کوئی آدمی کثرت اولاد کے بوجھ سے چھٹکارا پانے کے لیے بچے کو وجود میں آنے سے قبل ہی ماں کے شکم میں تلف کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اسلام اس عمل کو حرام ٹھہراتا ہے۔ یا پھر سرے سے ہی کوئی شخص یہ چاہے کہ عورت دوسرا بچہ ہی نہ جنے اور اس کے لیے وہ احتیاطی تدابیر عمل میں لاتا ہے تو اس عمل کو بھی اسلام نے اچھا قرار نہیں دیا ہے۔

اس طرح کے بہت سے احکام قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی میں ملتے ہیں جن سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جس خالق نے مفلسی کے عالم میں کسی کو وجود بخشا ہے تو وہی اس کو رزق بھی فراہم کرتا ہے۔ لہٰذا اسے ہی اختیار ہے کہ کب کسی کی جان لی جائے۔ بس انسان کے ذمہ ہے کہ وہ اس کی حفاظت کرے اور اس میں کوئی تصرف نہ کرے۔

خودکشی کا حکم:

خودکشی کبائر میں شمار ہوتی ہے کیوں کہ اس میں ایک سے زائد پہلو قابل گرفت ہیں اول: مشیت الٰہی پر عدم رضامندی، تقدیر پر عدم رضامندی، رحمت الٰہی سے مایوسی، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے بتایا ہے کہ: خودکشی کرنے والے شخص کو اسی طرح کی سزا دی جائے گی جس طرح اس نے اپنے آپ کو قتل کیا ہوگا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيدَةٍ فَحَدِيدَتُهُ فِي يَدِهِ يَتَوَجَّأُ بِهَا فِي بَطْنِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدا فِيهَا أَبَدا. وَمَنْ شَرِبَ سَمّا فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَهُوَ يَتَحَسَّاهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدا مُخَلَّدا فِيهَا أَبَدا. وَمَنْ تَرَدَّى مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَهُوَ يَتَرَدَّى فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدا

۱۔ سورۃ الأنعام 151:

مُخَلَّدا فِيهَا أَبَدا [۱]

جس نے اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا کر قتل کیا تو وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ کیلئے گرتا رہے گا، اور جس نے زہر پی کر اپنے آپ کو قتل کیا تو جہنم کی آگ میں زہر ہاتھ میں پکڑ کر اسے ہمیشہ پیتا رہے گا، اور جس نے کسی لوہے کے ہتھیار کے ساتھ اپنے آپ کو قتل کیا تو وہ ہتھیار اس کے ہاتھ میں ہو گا اور ہمیشہ وہ اسے جہنم کی آگ میں پیٹ میں مارتا رہے گا۔

اور ایک معروف حدیث میں جندب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

كانَ برَجُلٍ جِراحٌ، فَقَتَلَ نَفْسَهُ، فقالَ اللَّهُ: بَدَرَنِي عَبْدِي بنَفْسِهِ حَرَّمْتُ عليه الجَنَّةَ [۲]

تم سے پہلے لوگوں میں ایک شخص زخمی تھا جسے وہ برداشت نہ کر سکا تو اسنے چھری لے کر اپنا ہاتھ کاٹ لیا اور خون بہنے کی وجہ سے مر گیا، تو اللہ تعالی نے فرمایا: میرے بندے نے اپنی جان کے ساتھ جلدی کی ہے، میں نے اس پر جنت حرام کر دی۔

لہذا طبی موت خودکشی کے زمرے میں اس وقت داخل ہو سکتی ہے جب خود مریض موت کی خواہش کرے یا وصیت کرتا ہے۔

ہر بیماری قابل علاج ہے:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا تو ساتھ ہی اس کے دکھ، درد، آلام و مصائب کے علاوہ راحت و سکون اور صحت و تندرستی کو بھی اس کی زندگی کا اہم حصہ بنا دیا۔ جب کبھی انسان بیمار پڑتا ہے تو بعضے وقت یہ بیماری بغیر دوا وعلاج کے دو چند روز کے بعد خود ہی ختم ہو جاتی ہے اور وہ صحت یاب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بعض وقت بیماری میں شدت ہوتی ہے اور تکلیف بھی، تو بغیر دوا اور ڈاکٹروں کی مدد کے اس کی بیماری ختم نہیں ہوتی۔ تھوڑی سی حفاظت اور علاج و پرہیز اسے تندرست و توانا بنا دیتا ہے اور ذرا سی بے توجہی اس کی زندگی کو خطرہ میں ڈال دیتی ہے۔ ایسی صورت میں انسان کا فریضہ ہے کہ وہ اپنی جان کی حفاظت اور تندرست رکھنے کے لیے مناسب ادویہ اور تدابیر اختیار کرے۔

۱۔ بخاری، محمد بن اسمعیل، صحیح البخاری، دار العلم، بیروت، ۲۰۰۰ حدیث: ۵۴۴۲

۲۔ صحیح البخاری، حدیث: ۳۲۷۶

اگر وہ ایسا نہیں کرتا اور اس کی وجہ سے اس کی جان کو کوئی خطرہ پہنچتا ہے تو وہ عند اللہ گنہگار ہوگا، کیوں کہ صحت و تندرستی کے برقرار رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے بیماری بھی رکھی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ایسی کوئی بیماری نہیں اتاری ہے جس کا اس نے تریاق یا اس کی دوا نہ پیدا کی ہو۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: **ما انزل الله داء الا انزل له شفاء** [1] کوئی ایسی بیماری نہیں اُتاری اللہ نے جس کی شفا نہ پیدا کی ہو.

ایک دوسری حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے بیمار لوگوں کو علاج کرانے اور دوا کی اہمیت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

انزل الدواء الذی انزل الا دواء[2]

اس ذات نے دوا بھی اتاری جس نے بیماریاں اتاری ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور اس کی زندگی کا ایک عنصر صحت و تندرستی اور بیماری کو بھی بنایا اور بیماری کے ساتھ اس نے دوا بھی پیدا کی تاکہ وہ اس کو استعمال کر کے تندرست ہو جائے۔ مگر بعض وقت مریض اپنی صحت کے لیے جو دوا تجویز کرتا ہے وہ دوا تو ٹھیک ہوتی ہے مگر وہ اپنا اثر نہیں دکھاتی اور بے اثر ہو کر رہ جاتی ہے جس سے انسان کی زندگی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے دوا کے بے اثر ہونے کے متعلق فرمایا ہے

:لکل داء دواء فإن أصاب الداء الدواء برئ بإذن الله عز وجل [3]

ہر مرض کی دوا ہے جب وہ لگ جاتی ہے تو اللہ کے حکم سے صحت ہو جاتی ہے۔

اسی لیے فقہا نے لکھا ہے کہ صحت کی بحالی کے لیے دوا کرنا مباح ہے، بشرطیکہ اعتقاد یہ ہو کہ شفا دینے والا اللہ ہے اور صرف یہ اعتقاد ہو کہ دوا ہی شافی ہے تو جائز نہیں ہے۔[4]

۱۔ صحیح البخاری،، کتاب الطب، باب ما أنزل اللہ داء إلا أنزل لہ شفاء- حدیث: ۵۳۶۲

۲۔ ابن ابی شیبہ، مصنف ابن أبي شيبة، دار الکتب العربی، بیروت، ۲۰۰۱، کتاب الطب، من رخص في الدواء والطب، حدیث: ۲۲۹۱۷

۳۔ الحاکم، المستدرک علی الصحیحین، دار الکتب العربی، بیروت، ۲۰۰۵، کتاب الطب، حدیث طارق بن شھاب- حدیث: ۷۵۰۱

۴۔ محمد علی، اسلام کا نظام صحت فقہی تناظر میں، مرکز الفقہ، بنارس، ۲۰۰۰، ص ۲۳

باخبر اور تجربہ کار معالج

اسلام نے صحت کی حفاظت کیلئے تجربہ کار اور علم رکھنے والے ڈاکٹروں سے رجوع کرنے کا حکم دیا ہے۔ کیوں کہ حاذق طبیب ہی مریض کی صحت کو اچھی دوا کے ذریعہ بروقت بحال کر سکتا ہے اور وہ یہ رائے دے سکتا ہے کہ کون سی چیز اس کو تندرست رکھنے میں مفید ہو سکتی ہے اور کون سی غیر مفید۔ چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے کہ سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

> میں بیمار ہوا تو اللہ کے رسول ﷺ عیادت کیلئے تشریف لائے، میرے سینہ پر دست مبارک رکھا، میں نے اپنے قلب کے اندر اسکی ٹھنڈک محسوس کی۔ آپ نے فرمایا تمہیں دل کی شکایت ہے تم قبیلہ ثقیف کے حارث بن کلدہ کے پاس جاؤ وہ اس مرض کا علاج کرتا ہے۔ اس تکلیف میں آدمی کو مدینہ کے سات اچھی قسم کے چھوہارے گٹھلیوں سمیت کٹوا کر پھانکتے رہنا چاہیے۔[۱]

آپ ﷺ نے نہ صرف جان کار اور تجربہ کار ڈاکٹروں سے دوا علاج کرنے کا حکم دیا بلکہ ساتھ ہی آپ نے یہ حکم بھی دیا ہے کہ ناواقف اور ناتجربہ کار طبیب سے علاج نہیں کرانا چاہیے، اس سے نہ صرف صحت خراب ہوتی ہے بلکہ جان کے ہلاک ہونے کا پورا پورا خطرہ رہتا ہے۔ اسی لیے اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے ناواقف ڈاکٹروں کو بھی خبر دار کیا ہے کہ بغیر صحیح جان کاری کے کسی کا علاج نہیں کرنا چاہیے۔

طب کو اچھی طرح نہ جاننے کے باوجود جس نے علاج کیا اور اس سلسلہ میں وہ متعارف نہیں تھا تو وہ کسی بھی نقصان کا ضامن ہو گا۔ ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

> **ایما طبیب تطبب علی قوم لایعرف له تطبب قبل ذلك فاعنت فهوضامن**[۲]
>
> جس شخص کا پہلے سے طبیب ہونا معلوم نہیں تھا، اسنے لوگوں کا بہ تکلف علاج کیا اور نقصان پہنچایا تو وہ ضامن ہو گا۔

کچھ عوارض ایسے ہیں جن کا کوئی علاج نہیں۔ ایک موت ہے اور دوسرا بڑھاپا۔ موت کسی کی واقع ہونے والی ہے تو کتنی ہی احتیاطی تدابیر اختیار کیوں نہ کر لی جائیں اسے کوئی روک نہیں سکتا اور وہ وقت معینہ پر آکر رہے گی۔ اسی طرح بڑھاپے کو بھی کوئی دوا ٹال نہیں سکتی، کیونکہ بڑھاپا طاری ہی اسی لئے ہوتا ہے کہ اب اسکا کام اس دنیا

۱۔ ابن عبد ربہ، شھاب الدین أحمد: العقد الفرید، منشورات دار الھلال، ط۱، ۱۹۸۶، ۴/ ۹۰

۲۔ سجستانی، سنن أبي داود، کتاب الدیات، باب فیمن تطبب بغیر علم فأعنت-حدیث: ۳۹۹۲

سے ختم ہو گیا اسلئے اسے بڑھاپے کی منزل میں پہنچا دیا گیا جس میں وہ کچھ دن مبتلا رہ کر اس دنیا سے رخصت ہو جائے گا۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تداووا ، فان الله لم ينزل داء الا وقد انزل له شفاء،الا السام والهرم [1]

علاج کراؤ بے شک اللہ تعالی نے جو بھی بیماری اتاری ہے اس کے لیے شفا بھی رکھی ہے سوائے موت اور بڑھاپے کے۔

بعض بیماریاں ایسی ہیں جن کا علاج اطباڈھونڈھنے میں اب تک ناکام ہیں۔ یہ انسانوں کی کم علمی ہے نہ کہ خالق کائنات کا نقص۔ اسی لیے تو قرآن میں متعدد مقام پر اہل ایمان کو مخاطب کیا گیا ہے کہ تم لوگ مظاہر فطرت پر غور و فکر کیوں نہیں کرتے تاکہ تم نامعلوم چیزوں کا علم حاصل کرلو۔ کیونکہ تاریخ گواہ ہے کہ جن نامعلوم چیزوں کے بارے میں علم حاصل کرنے کی کوشش کی گئی وہاں کامیابی بھی ملی۔ بے شمار بیماریوں کی مثال اس ضمن میں دی جاسکتی ہے کہ کسی وقت وہ لاعلاج تھی لیکن پھر وہ قابل علاج ہو گئیں۔

رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا اندازہ تھا کہ بعض بیماریوں کا علاج ابھی انسان کی دسترس سے باہر ہے، لہذا آپ نے لوگوں کو اس میں کامیابی کی ترغیب دی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

ان الله لم ينزل داء الا انزل معه دواء، جهله من جهله ، وعمله من علمه [2]

(۲)

اللہ نے کوئی بیماری نہیں اتاری مگر یہ کہ اسکی شفا بھی اتاری ہے، جاننے والا اسے جانتا ہے، نہیں جاننے والا نہیں جانتا۔

حالات اور وقت کے ساتھ آدمی کی ضرورتیں بدلتی رہتی ہیں۔ پہلے طب میں وہ سہولتیں نہیں تھیں جو آج کے زمانے میں ہیں اور آئندہ بھی مزید سہولتیں فراہم ہوں گی جو مریض اور طبیب کے لیے تقویت کا باعث ہوں گی۔ چنانچہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ:

۱۔ ابن حبان، صحیح ابن حبان، دار الکتب الاسلامیہ، بیروت، کتاب الحظر والإباحۃ، کتاب الطب، ذکر وصف الشیئین اللذین لا دواء لھما، حدیث:۶۱۵۶

۲۔ ابن حبان، صحیح ابن حبان، ۱۹۹۵، کتاب الحظر والإباحۃ، کتاب الطب، ذکر الإخبار عن إنزال اللہ لکل داء دواء یتداوی بہ، حدیث:۶۱۵۴

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کل داء دواء مریض اور طبیب دونوں کیلئے تقویت کا باعث ہے۔ اس میں علاج کے تلاش کی ترغیب بھی ہے۔ اگر مریض کو یہ محسوس ہو کہ اسکا مرض لاعلاج نہیں ہے بلکہ اسکاعلاج ممکن ہے تو اس کا دل امید سے بھر جائے گا اور مایوسی ختم ہو جائے گی۔ اس سے وہ اپنے اندر نفسیاتی طور پر مرض پر غالب آنے والی توانائی محسوس کرے گا۔ اس طرح طبیب کو جب معلوم ہو گا کہ ہر بیماری کی اللہ نے دوار کھی ہے تو تلاش و جستجو اس کیلئے ممکن ہو گی۔[۱]

عیادت مریض

عیادت کی شرعی حیثیت کا اندازہ اس طرح لگایا جاسکتا ہے کہ جب کوئی مسلمان کسی بیماری میں مبتلا ہو تو دوسرے بھائی کو چاہیے کہ وہ اس کی عیادت کرے اوراسے تسلی اور حوصلہ دے۔ اس عیادت سے مریض کی صحت پر اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور اس کے اندر سے مایوسی ختم ہوتی ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ میری دیکھ بھال کرنے والے بہت سارے لوگ ہیں۔ کبھی کبھی یہ خیر خواہی مریض کے لیے اتنی فائدہ مند ہوتی ہے کہ کوئی علاج اس کا بدل نہیں بن سکتا۔ اور بیمار ان باتوں میں اچھا ہو جاتا ہے اور اٹھ کر چلنے پھرنے لگتا ہے۔ ایسا کرنے سے نہ صرف مریض کو فائدہ ہوتا ہے بلکہ عیادت کے لیے جانے والے کو بھی اللہ تعالیٰ نیکیوں سے نوازتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ:

مامن رجل يعود مريضا ممسيا، الا خرج معه سبعون الف ملك يستغفرون له حتى يصبح، وكان له خريف في الجنة ، ومن اتاه مصبحا، خرجامعه سبعون الف ملك يستعغفرون له حتى يمسيي ، وكان له في الجنة ۔[۲]

جو مسلمان بھی کسی مسلمان کی صبح کے وقت عیادت کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے شام تک اس پر رحمت کی دعا بھیجتے ہیں۔ اگر وہ شام کے وقت اس کی عیادت کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے صبح تک اس پر رحمت کی دعا بھیجتے ہیں اور جنت میں اسکیلئے پھل ہوں گے۔

۱۔ ابن القیم، الطب النبوی، دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان، ۱۹۹۰م، ۱/۱۵

۲۔ سنن أبي داود - کتاب الجنائز، باب في فضل العيادة على وضوء، حدیث: ۲۷۱۰

اسلام کے آداب عیادت کی طرف دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کسی دین یا مذہب کی تخصیص نہیں ہے۔ بچہ، بوڑھا، جوان، عورت، مرد، پڑوسی، یہاں تک کہ غیر مسلموں کی بھی کی جانی چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کا اس پر کثرت سے عمل رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو تاکید کے ساتھ فرمایا:

أطعموا الجائع، وعودوا المريض ، وفكوا العاني [1]

بھوکے کو کھانا کھلاؤ، مریض کی عیادت کرو، اور قیدی کو چھڑاؤ۔

بیماری سے گناہ کم ہوتے ہیں:

صحت وعافیت اللہ کا ایک انعام ہے اور اسے برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ چھوٹی چھوٹی بیماریاں انسان کے سامنے آتی رہیں کیونکہ ان چھوٹی چھوٹی بیماریوں کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے انسان کے جسم سے غیر ضروری اجزا اور فضلات کا اخراج ہوتا رہے۔ اور ان بیماریوں کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ یہ انسان کو خبردار کرتی ہیں کہ مختلف نظام جسمانی میں سے کسی ایک میں کوئی خرابی ہے۔ جیسا کہ بخار بذاتہ خود کوئی اس کا دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے ذریعہ گناہ کم ہوتے ہیں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ جس بندے سے خفا ہوتا ہے تو اسے بیماری میں مبتلا کر دیتا ہے تاکہ بندہ نے جو گناہ کیا ہے اس کی مدافعت ہو جائے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَا مِنْ مُصِيبَةٍ تُصِيبُ الْمُسْلِمَ إِلَّا كَفَّرَ اللَّهُ بِهَا عَنْهُ، حَتَّى الشَّوْكَةِ يُشَاكُهَا [2]

مسلمانوں کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے یہاں تک کہ اسے کوئی کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

اگر کسی مومن بندے کو یہ اندازہ ہو جائے کہ بیماری اور مصیبت کے ذریعہ اسے کتنا بڑا فائدہ پہنچنے والا ہے تو وہ یہی چاہے گا کہ ہمیشہ بیماری میں مبتلا رہے۔ ایک دوسری حدیث میں بیماری کو مسلمانوں کے لیے ایک نعمت اور اس کے گناہوں کا کفارہ قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:

ما مِنْ مُسْلِمٍ يُصِيْبُه اَذًى شَوْكَةٌ فَمَا فَوْقَها اِلاَّ كَفَّرَ اللّٰه بِها سَيْئاتِه كما تَحُطُّ الشَّجَرَةُ وَرَقَها [3]

۱۔ صحیح البخاري - کتاب الأطعمة، باب قول الله تعالى: کلوا من طیبات ما رزقناکم وقوله - حدیث: ۵۰۶۴

۲۔ صحیح البخاري - کتاب المرضى، باب ما جاء في کفارة المرض - حدیث: ۵۳۲۵

۳۔ صحیح البخاري - کتاب المرضى، باب: أشد الناس بلاء الأنبياء - حدیث: ۵۳۳۲

جس مسلمان کو کانٹا چبھنے کی یا اس سے بڑی کوئی تکلیف پہنچی ہے تو اللہ تعالی اس کے ذریعہ اس کی غلطیوں کو اسطرح ختم کر دیتا ہے جیسے درخت اپنے پتوں کو گرا دیتا ہے۔

بیماری میں صبر کی اہمیت

اللہ تعالیٰ کا نظام آزمائش فی ذاتہ ایک بہت بڑا انعام ہے کیونکہ وہ جس بندے سے زیادہ محبت کرتا ہے اسے اتنی ہی بڑی ابتلا و آزمائش میں بھی مبتلا کرتا ہے یا یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ جتنا بڑا مقام اتنی بڑی آزمائش اور یہ سب کچھ اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ وہ اندازہ لگائے کہ میرے بندے کا مصیبت میں کیا رویہ رہتا ہے۔ ایسی صورت میں ایک مسلمان کا رویہ صبر پر مبنی ہونا چاہیے اور اپنی تکالیف کو اپنے حق میں بہتر تصور کرے۔ اگر وہ ناشکری کرتا ہے تو اس سے اس کی تکلیف میں تو کمی واقع نہیں ہوتی بلکہ اپنی تکلیف میں اضافہ ہی کرتا ہے کیوں کہ صبر سے تکالیف میں برداشت کرنے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ۚ–اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْن وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ. وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ﴾ (۱)

(۱)

اے ایمان والو! مدد طلب کرو صبر اور نماز کے ذریعہ، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، جو لوگ اللہ کے راستے میں مارے جائیں انہیں مردہ مت کہو وہ زندہ ہیں لیکن تم محسوس نہیں کرتے۔ ہم ضرور تمہیں کس قدر خوف اور بھوک کے ذریعہ اور مالوں، جانوروں اور پھلوں میں کمی کر کے آزمائیں گے اور صبر کرنے والوں کو خوش خبری سنا دو جن پر اگر کوئی مصیبت آتی تو کہتے ہیں ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف جانا ہے۔ ایسے ہی لوگوں پر انکے رب کی عنایات ہیں اور رحمت ہے اور یہی ہدایت یافتہ ہیں۔

۱۔ سورۃ البقرۃ:۱۵۳

سیرت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہ کرام جب بیمار ہوتے تھے تو علاج کو ترک کر دیتے اور صبر وشکر کو ہی حقیقی علاج سمجھتے اس پر رسول اللہ ﷺ نے اس رویہ کی ممانعت کی اور فرمایا کہ صحت کو تندرست رکھنے کے لیے دوا بھی ضروری ہے اور صبر بھی ضروری ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک عورت مرگی کی بیماری میں مبتلا تھی جب اس پر دورہ پڑتا تو اسے کپڑوں کی خبر نہ رہتی اور وہ بے ستر ہو جاتی تھی۔ اسنے اللہ کے رسول ﷺ سے دعا کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم چاہو تو دعا کروں اور چاہو تو صبر کرو۔ اللہ تعالی اسکے عوض جنت عطا فرمائے گا۔ اس پر اسنے کہا تب تو صبر کروں گی۔ البتہ آپ دعا فرمایئے کہ دورہ کی حالت میں میری بے ستری نہ ہو آپ ﷺ نے دعا فرمائی۔[۱]

اس عالم پریشانی میں جو بندہ صبر کرتا ہے اللہ کے نزدیک اس کا مقام بہت بلند ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ باری تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاسَاءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاسِ أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾[۲]

وہ لوگ جو صبر کرتے ہیں تنگی ترشی اور تکلیف میں اور جنگ کے وقت یہی لوگ سچے ہیں اور یہی تقوی والے ہیں۔

ایوب علیہ السلام کا صبر اس حوالے سے ایک واضح مثال ہے جو ایک خطرناک بیماری میں طویل مدت تک مبتلا رہے لیکن اس کے باوجود کوئی شکوہ ان کی زبان پر نہ آیا یہاں تک کہ اس بیماری میں ان کے تمام قریبی لوگ ساتھ چھوڑ گئے مگر ان کی بیوی اس پوری مدت میں ان کی خدمت کرتی رہیں۔ ان کی تکلیف کی شدت کی وجہ سے بعضے وقت ان کی بیوی بھی کرب والم میں مبتلا ہو جاتی تھیں۔ ایک دن بہ جذبہ ہمدردی ان کی بیوی نے کچھ ایسے الفاظ کہے جو صبر کے منافی کلمات تھے اور اس میں اللہ کے لیے شکوہ کا پہلو تھا اس پر وہ اپنی بیوی سے ناراض ہو گئے اور کہا کہ تم نے نعمت الہی کا انکار کیا ہے اور میں اسکی سزا دوں گا۔ اور اس صبر کی وجہ سے اللہ نے ان کے درجات بلند کیے جس کا ذکر قرآن میں اس طرح کیا گیا ہے:

۱۔ صحیح البخاري-کتاب المرضی، باب فضل من یصرع من الریح-حدیث:۵۳۳۶

۲۔ سورۃ البقرۃ:۱۷۷

﴿وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ.فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِن ضُرٍّ ۖ وَآتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَذِكْرَىٰ لِلْعَابِدِينَ﴾ [1]

اور یاد کرو جب ایوب نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے تکلیف پہنچی ہے اور تو ارحم الراحمین ہے۔ہم نے اسکی پکار سنی اور اسے جو تکلیف تھی وہ دور کر دی۔ہم نے اسے اسکے اھل و عیال دیئے اور اسکے ساتھ اتنے ہی اور بھی دیئے۔یہ رحمت ہے ہماری طرف سے عبادت کرنے والوں کیلئے نصیحت ہے۔

صبر کی وجہ سے مریض کی صحت پر بھی مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔کیوں کہ جو آدمی بیماری میں صبر کرتا ہے اسے اپنی تکلیف ہلکی محسوس ہوتی ہے۔لہذا مرض چھوٹا ہو یا بڑا، قابل علاج ہو یا لا علاج ہر حال میں اسلام نے صبر کی تلقین کی ہے۔اور صبر مشکلات میں جزع فزع اور گھبراہٹ کا مظاہرہ نہ کرنے کا نام ہے، شکوہ شکایت کی جگہ صبر و استقامت کا رویہ اختیار کرنااور جو ممکنہ تدابیر وہ اختیار کر سکتا ہے انہیں سکون کے ساتھ اختیار کرے اور نتیجہ اللہ کے حوالے کر دے۔اس سے خود اعتمادی اور خدا اعتمادی پیدا ہوتی ہے اور مضبوط قوت ارادی کی بنیاد پر مریض مرض کا بڑی ہمت سے مقابلہ کر سکتا ہے۔

موت کی دعا کرنے کا حکم

ہر انسان زندگی میں کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے۔ان میں سے بعض بیماریاں قابل علاج ہوتی ہے تو بعض لا علاج ہوتی ہیں اس کیفیت میں وہ کرب میں زندہ رہتا ہے تو بسا اوقات ایسی کیفیت میں دعا کر بیٹھتا ہے کہ اللہ تو مجھ کو اس تکلیف دہ زندگی سے نکال کر موت دے دے، جو کہ قطعا درست نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بیماری اسی لیے طاری کرتا ہے کہ اس کے اندر قوت برداشت پیدا ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے ایسی دعا کرنے سے سختی سے منع فرمایا ہے:

لا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمْ الْمَوْتَ مِنْ ضُرٍّ أَصَابَهُ , فَإِنْ كَانَ لا بُدَّ فَاعِلا فَلْيَقُلْ : اللَّهُمَّ أَحْيِنِي مَا كَانَتْ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِي , وَتَوَفَّنِي إِذَا كَانَتْ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِي [1]

ا۔ سورۃ الانبیاء:83

تم میں سے کوئی شخص کسی تکلیف کو پہنچے تو موت کی تمنا نہ کرے، اگر کسی وجہ سے بالکل ضروری ہو جائے تو اسطرح کہے اے اللہ! مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک کہ زندہ رہنا میرے حق میں بہتر ہو اور جب موت میرے حق میں بہتر ہے تو موت دے دے۔

مصائب ومشکلات اور بیماریاں سب وقتی ہوا کرتی ہیں۔ یہ کبھی جلد رفع ہو جاتی ہے اور کبھی وقت لگتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید اور احادیث میں ایک سے زائد بار یہ امر بیان کیا گیا ہے کہ ہر تنگی کے بعد آسانی ہے۔ اللہ نے انسان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے تو پھر کیوں نہ وہ اپنی پیدائش کے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کوشش کرے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو یہ کفران نعمت ہے۔ اندازہ لگایئے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں بعض بیماریوں کا بہتر علاج گرم لوہے سے داغنے کا تھا۔ جس کی تکلیف سے وہ زندہ رہنے کو ترجیح دیتے تھے۔ جیسا کہ خباب رضی اللہ عنہ کو بطور علاج گرم لوہے سے سات داغ لگائے گئے، اس سے انہیں سخت تکلیف ہوئی۔

زندگی اور موت اللہ تعالی کے ہاتھ میں ہے لہذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ زندگی اللہ تعالی کا ایک خوبصورت عطیہ ہے جسے اس کی رضا کے حصول اور مرضی کے مطابق ہی استعمال کیا جائے تاکہ اس کی نافرمانی میں اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ مسلمان کبھی بھی مایوس نہیں ہوتا کہ وہ ہمیشہ پر امید رہتا ہے کیونکہ مایوسی کفر ہے۔

نتائج وسفارشات

طبی موت کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لینے سے چند امور واضح ہو جاتے ہیں جن کا ذکر درج ذیل ہے:

۱. زندگی اللہ تعالی کا بہت بڑا انعام ہے لہذا اس انعام کی قدر کرنی چاہیے۔
۲. صحت وعافیت بھی اللہ تعالی کا انعام ہے لہذا اسے غنیمت جانتے ہوئے اس نعمت وانعام کا حق ادا کرنے کی کوشش ادا کرنی چاہیے۔
۳. اسلام کا نظام حفظان صحت کی بنیاد اس عقیدے پر ہے کہ انسان کی بیماری خواہ کتنی ہی شدید کیوں نہ ہو اسے اللہ کی رحمت اور اللہ کی عطا کردہ شفا سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔
۴. اسلام کے حفظان صحت کے اصول وضوابط ہمیں اس امر کی قطعا اجازت نہیں دیتے کہ کوئی انسان اپنی جان لے۔

۱۔ مسلم بن حجاج القشیری، صحیح مسلم، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۹، کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار، باب کراھۃ تمني الموت لضر نزل بہ، حدیث: ۴۹۴۷

۵. اسی طرح اسلام نہ تو طبیب اور نہ ہی ہسپتال کو اس امر کی اجازت دیتا ہے کہ کسی انسان کی خواہش پر اس کی جان لیں۔

۶. اسلام اپنے ماننے والوں کو ہمیشہ پر امید رہنے کی تلقین کرتا ہے کیونکہ دنیاوی اسباب کے اعتبار سے ممکن ہے کسی بیماری کا علاج ممکن نہ ہو لیکن اللہ تعالی کی رحمت بہت وسیع ہے اور وہ قادر مطلق ہے لہذا پر امید رہا جائے مایوسی و قنوط کو ترک کیا جائے۔

۷. اسلام کے بنیادی اصولوں میں ایک اہم ترین ضابطہ مسلمان کا ہر حال میں دعا کا دامن تھامے رکھنا ہے کیونکہ دعا مسلمان کو قلبی طور پر مضبوط کرتی ہے اور ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کرتی ہے۔

۸. علاج ایک مشروع سبب ہے جسے اختیار کرنے میں کوئی مضایقہ نہیں ہے۔

۹. ہر بیماری کا علاج موجود ہے انسان کے علم میں اس علاج کے نہ ہونے سے کوئی بیماری لاعلاج نہیں ہوتی اس کی واضح مثالیں موجود ہیں کل تک جو بیماری لاعلاج تھی آج ان کے علاج انسان نے دریافت کر لیے ہیں۔

۱۰. علاج ایک جائز سبب ہے لیکن علاج سے قبل اور علاج کے دوران اللہ تعالی کی رحمت کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔

۱۱. طبی موت خودکشی کی ہی ایک صورت ہے بلکہ اسے قتل ناحق کہا جاسکتا ہے جو اسلام میں بہت بڑا جرم ہے۔

۱۲. طبی موت کی خواہش خواہ خود مریض کی طرف سے ہو یا لواحقین کی طرف سے ہو اس کی کسی بھی صورت میں اجازت نہیں دی جاسکتی۔

۱۳. طبی موت کی اجازت نہ تو دین دیتا ہے اور نہ ہی پاکستان کا آئین دیتا ہے لہذا یہ ایک جرم ہے۔